© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۶ شمارہ: ۲،۱

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی خاکہ نگاری☆

قدرت اللہ شہزاد

ہم اپنے مشاہیر کے بارے میں جاننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ان کی ذات کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولات سے آگہی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسی خواہش نے فن خاکہ نگاری کو جنم دیا۔ جس نے آگے چل کر بہت سے روپ بدلے۔ کہیں عقیدت مندی کی شکل میں، کہیں لفظوں کی کارٹون گری میں، کہیں سچائیوں کی چشم پوشی میں، کہیں حقیقتوں کے بیان کا سہارا لے کر بے لباس کرنے میں، کہیں نفسیاتی تجزیے میں اور کہیں داستان طرازی۔ ہر ایک نے دعویٰ کیا خاکہ بس یہی ہے جو ہم نے لکھا۔ دوسرے انداز اور اسلوب کا حامل اس فن پر پورا نہیں اترتا۔لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب خاکے درست ہیں۔ سب نے اپنی صلاحیتوں اور سوچ سے اس فن کو حسن بخشا ہے۔ سب کی مشترکہ کاوشوں نے اسے یک رنگ ہونے سے بچا لیا ہے۔ اسے رنگا رنگی عطا کی ہے۔ ان رنگوں نے فن خاکہ نگاری کو حسین تر بنا دیا ہے۔ جس کو جو رنگ بھائے وہ اسے اپنا لے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے خاکہ نگاری کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے جو اصول پیش نظر رکھا وہ یہ تھا کہ اپنے ممدحین کے انہی پہلوؤں پر زور دیا جائے جن سے ہماری زندگی اور ماحول روشن ہو سکے۔ ان کے خیال میں:

> ''آج بہت اندھیرا ہے اور ضرورت چراغ جلانے کی ہے۔ شاید وقت کی محراب میں روشن ان چراغوں کی روشنی قلب و نظر کو متاثر کر سکے''۔ (ص ۱۳)

واقعات نگاری خاکے کو جہاں دلچسپ بناتی ہے وہاں متعلقہ شخصیت کے بارے میں دی گئی رائے کو بھی وقیع بناتی ہے۔ قاری محاسن یا معائب کے بیان میں واقعے کو ضروری سمجھتا ہے۔ اسی لیے یہ عنصر خاکہ نگاری کے لیے لازمی خیال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اس فنی ضرورت کا خاص خیال رکھا ہے جس کی وجہ سے مولوی عبدالحق، حسرت موہانی، اسرار الحق، مجاز، ڈاکٹر سجاد، نیاز فتح پوری، ثاقب کانپوری، ممتاز حسن، ڈاکٹر محمد حسین اور عبدالکریم سومار کے حوالے سے لکھے گئے خاکے قاری کے ذہن پر تا دیر نقش رہتے ہیں۔

☆ مطبوعہ ماہنامہ سخن ور، کراچی، فروری ۲۰۰۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلیہ نگاری خاکہ نویسی کا لازمی جزو ہے۔ جس طرح ہر مصور اپنے موئے قلم کو بروئے کار لا کر اپنے انداز سے خد و خال واضح کرتا ہے۔ حقیقت سے قطعاً مختلف نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہر قلم کار سراپا نگاری میں اپنے فن کا اظہار کرتا ہے۔ ڈاکٹر کشفی کا انداز سراپا نگاری ملاحظہ ہو:

''فیض نے تو اپنے رقیب سے ایک بات کہی تھی جو محمود حسین خان کے رفیق ایک دوسرے سے کہہ سکتے ہیں۔

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی، وہ رخسار، وہ ہونٹ محمود حسین خاں کا چہرہ آپ کے مطلع ذہن پر ابھر کر اس مصرعہ کو عاشقانہ فضا سے نکال کر انسانی کردار اور ذات کی دنیا میں لے جائے گا۔ محمود حسین خان کی پیشانی جیسے فکر، بلند طالعی اور ذہانت کی سجدہ گاہ تھی۔ ان کے رخساروں کی تمتماہٹ غیرت کا اشارہ تھی اور ان کے ہونٹ سچائی کا نشیمن تھے۔ دل ان کا ایسا آئینہ تھا جو گردِ کدورت سے سدا صاف رہا۔ ذہن ایسا تھا کہ پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں۔ ان کے ماتھے پر شرافت کا غرور اور ہونٹوں پر صداقت کا نور چمکتا تھا۔ ان کی جنبش دست اور چہرہ کی حرکات ان کی باتوں، روح اور ذات سے پیوستہ رہتیں۔ یوں لگتا کہ جیسے ان کے جنبش کرتے ہوئے آبرو اور آنکھوں کی مسکراہٹ کا ان کی گفتگو میں وہی حصہ ہے جو اچھے شعر کی تعمیر میں استعارہ اور تشبیہ کا ہوتا ہے''۔ (ص۱۰۹-۱۱۱)

دیکھیے! کس حسن و خوبی اور چابکدستی سے ڈاکٹر محمود حسین کا سراپا بیان کیا ہے کہ ان چند سطور میں ظاہری و باطنی شخصیت پورے طمطراق سے ہمارے سامنے آ گئی ہے۔ قاری جہاں ممدوح کے حسن اور بلند قامتی کا ادراک کرتا ہے، وہاں وہ تحریر کی دلکشی اور رعنائی سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔

کشفی صاحب زبان کی نزاکتوں کا بھرپور ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر قوس و قزح کے رنگوں اور جھلملاتے ستاروں کی خصوصیات لیے ہوتی ہے۔ ان کے بہت سے خاکوں میں افسانوی رنگ پایا جاتا ہے لیکن اسرارالحق مجاز کے خاکے میں ان کا یہ رنگ اور زیادہ شوخ ہو جاتا ہے:

''مجاز کی زندگی کا بڑا حصہ رومانی دھندلکوں میں گزرا۔ کسی نے اپنی آنکھوں میں خمار شب کے ساتھ ہنگام سحر اس کا خیر مقدم کیا۔ اپنے عشقوں میں وہ ناکام نہیں رہا۔ اس کے یہاں بڑا ہی نشاط رہا۔ مجاز کا دعویٰ ہے کہ ؎

کامرانی ہے پر افشاں مرے رومانوں میں

کسی نے دلداریٔ نسیم بہاراں، تابندگی صبح درخشاں اور ہنسی کے نرم طوفان میں شمع فروزاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ اس کا انتظار کیا ہے۔ کسی کے کھلے ہوئے لبوں کے گلستان نے اس کی عیادت کی ہے۔

وہ جب تک علی گڑھ میں رہا گرلز کالج اور یونیورسٹی کی لڑکیوں کے خوابوں پر حکومت کرتا رہا۔ لڑکیاں اس کے لیے خواب دیکھتیں اور مجاز نئی نئی فتوحات حاصل کرتا رہا۔ اس کی زندگی بستر مخمل و سنجاب تھی۔ اس کی جنت شوق بیگانہ آفاتِ سموم تھی اور اس کی نگاہوں میں بزم پروین کنیزوں کے ہجوم سے زیادہ نہیں چھپتی تھی کہ اچانک ایک زہرہ جبیں بہت سی کہکشانیوں کے ساتھ اس کی زندگی میں داخل ہوئی۔ اس کی زندگی کو تھوڑے سے نور کی ضرورت تھی اور یہ نور اس ستارے نے اسے بخش دیا۔ لیکن نور کے جلو میں سوز بھی ہوتا ہے۔ وہ زہرہ جبیں مجاز کو نور اور سوز دے کر اس کی زندگی سے بہت دور چلی گئی۔ وہ ایک بڑے لیڈر کی بیٹی تھی اور پھر ایک بڑے آدمی کی بیوی بن گئی''۔ (ص ۵۰)

ڈاکٹر کشفی کے خاکوں میں بہت سی نادر تراکیب دیکھنے کو ملتی ہیں۔ برمحل اشعار و مصرعے بھی ان کی تحریر کو اجالتے ہیں۔ خوبصورت تشبیہات سے وہ شخصیت کے مقام و مرتبے کا تعین کرتے نظر آتے ہیں:

''وطن کا ہر ذرہ انھیں ملک سلیماں سے زیادہ عزیز تھا'' (ص ۱۰۴)

''ان کے کردار اور ان کی روح میں غزل کے ایک حسین شعر کے سارے تیور موجود تھے''۔(ص ۳۲)

کسی مصرعے یا شعر کو نثر میں حسن و خوبی کے ساتھ برتنے کا ہنر ہر ایک کے بس کی بات نہیں لیکن ڈاکٹر کشفی اس فن میں طاق نظر آتے ہیں۔ ان کی شعری تشبیہ و ترکیب کے نمونے ملاحظہ ہوں:

''مشق سخن کے ساتھ چکی کی مشقت بھی حسرت کی زندگی۔ وہ کمالِ خاکساری کا نمونہ تھے۔ لیکن ایسی ''قیامت'' بھی تھے جو اپنی داد خود دے لے۔ ان کی غزل پڑھیے تو ''جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم'' اور زندگی پر نظر ڈالیے تو ایک چٹان اور ''دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان''۔ (ص ۲۶)

''اکبر زمین میں غیرتِ قومی سے گڑے ہوں یا نہ گڑے ہوں، مگر میں ضرور شرمندگی سے زمین میں گڑ گیا''۔ (ص ۱۰۳)

تشبیہ و موازنہ کے باب میں ڈاکٹر کشفی کی نثر کا یہ نمونہ دیکھیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ان کی فطرت سے مزاج کو وہی لگاؤ ہے جو ساز کو نغمہ سے، کانپور کو قلیوں سے، بمبئی کو سیٹھوں سے، لاہور کو ادیبوں سے، فراق کو غزل سے، سجاد ظہیر کو گھونسہ اور لال سلام سے اور جدن بائی کو نرگس سے ہے''۔(ص ۲۱)

کشفی صاحب کے خاکوں کے عنوانات نہ صرف دلکش ہیں بلکہ انہوں نے عنوان کے تین چار لفظوں میں پوری شخصیت کو سمو دیا ہے۔ مثلاً انہوں نے مولوی عبدالحق کے لیے ''شہر اُردو کی شہر پناہ'' کا عنوان تجویز کیا ہے۔ حسرت موہانی کے لیے ''گم اس میں تھے آفاق'' اور سیّد سلیمان ندوی کے خاکے کے لیے ''علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد'' بھرپور اور جامع عنوانات ہیں۔

بعض نقاد خاکے کے لیے بشری کمزوریوں کے بیان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں تصویر تب ہی مکمل ہوگی جب شخصیت کی کسی کجی کو چھپایا نہ جائے۔ اگر کان ٹیڑھا ہے تو اسے ویسا ہی دکھایا جائے، ناک طوطے جیسی ہے تو اسے ستواں بنانے کی کوشش نہ کی جائے، چہرے پر کوئی داغ ہے تو اس پر پلاسٹک سرجری نہ کی جائے۔ خود ڈاکٹر کشفی بھی یہی کہتے ہیں کہ ''ہمیں فرشتوں، راہبوں اور گوشہ نشینوں کی ضرورت نہیں۔ ایسے افراد کی ضرورت ہے جو انسان بھی ہوں اور آدمی بھی۔ لاگ بھی رکھتے ہوں اور لگاؤ بھی''۔ اس کے باوجود کشفی صاحب نے اپنے خاکوں میں لگاؤ کو اُجاگر کیا ہے۔ لاگ خال خال ہی نظر آتا ہے۔ کشفی صاحب ہمیں خامیاں تلاش کرتے ہوئے نہیں بلکہ پہلو بچاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ناگزیر صورت حال میں وہ خامیوں کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ وہ خامیاں ہی رہتی ہیں، گناہ نہیں بنتے۔ مثلاً:

''اولیائے کرام اور بزرگوں سے انہیں عقیدت تھی۔ یہ عقیدت ''قبر پرستی'' کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ ایک طرف تو حسرت کا یہ دعویٰ کہ ''میں ایک مسلمان کمیونسٹ ہوں'' دوسری طرف یہ ''قبر پرستی''۔ سچ ہے۔

اک طرف تماشہ تھی حسرت کی طبیعت بھی

(ص ۳۵)

بی اے ہاشمی کے حوالے سے کشفی صاحب لکھتے ہیں:

''ہاشمی صاحب مزے کے آدمی معلوم ہوئے۔ خود پسندی اور اعتماد کی تصویر، اپنے آپ کو مرکز عالم سمجھنے والے نستعلیق اور رکھ رکھاؤ کے آدمی''۔(ص ۷۷)

ڈاکٹر کشفی کے خاکوں میں ممتاز حسن کا خاکہ ایک اعلیٰ پائے کے خاکے کی خصوصیات لیے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اگر اسے شاہکار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہی وہ خاکہ ہے جس میں خاکہ نگار اپنے ممدوح کی شخصیت کی پرتوں کو کھولنے میں بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں جو خاکہ قارئین کے ذہن پر نقش ہو جائے اسے شاہکار کا درجہ دینے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالصمد کا خاکہ ''زمین پر اللہ کا قیدی'' مختصر ہونے کے باوجود بھرپور و پُراثر ہے۔ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن کے خاکہ ''ہماری ثقافت کا قصہ خواں'' بھی کشفی صاحب کے اچھے خاکوں میں شمار کیا جائے گا۔

کشفی صاحب کی نثر کے کمالات ان کے والد حضرت ثاقب کانپوری کے خاکے میں آب و تاب کے ساتھ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں ان کی ساری تخلیقی صلاحیتیں یکجا ہو کر جلوے بکھیر رہی ہیں۔ یہ خاکہ اُردو ادب کا شاہکار تصور کیا جا سکتا تھا لیکن ادھورے پن اور تشنگی کے سبب اس اعزاز سے محروم رہ گیا۔ جس زمانے میں یہ خاکہ چھپا تھا اس وقت تک تو ٹھیک تھا لیکن مجموعے کی ترتیب کے موقع پر نظرثانی کا محتاج تھا۔ حضرت ثاقب کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں پر واقعات کے ذریعے روشنی ڈالی جا سکتی تھی۔ لگتا ہے کشفی صاحب کو اس کے ادھورے پن پر اعتراضات کا احساس تھا جبھی تو انہوں نے اس کا عنوان ''ایک ادھوری کہانی'' لکھ کر خود کو بچانے کی کوشش کی ہے اور ان کی یہ اختتامی سطور بھی اسی شعوری عمل کی عکاسی کرتی ہیں۔

> ''میں نے شروع کی تھی ایک کہانی اور وہ ادھوری رہ گئی۔ میں بھی تو تقریر لکھنے لگا۔ یہ رقت کوئی اچھی علامت نہیں، اس لیے یہ کہانی ادھوری ہی چھوڑے دیتا ہوں۔ دیکھیے یہ کب پوری ہو؟ شاید اس کی تکمیل ہم سب کو کرنی ہو''۔ (ص ۹۷)

کشفی صاحب نے آخری جملے میں مہارت سے بات کا رخ موڑ دیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا وہ اس خاکے کی تکمیل کرتے تاکہ اس کا شمار اُردو ادب کے شاہکار خاکوں میں ہو سکتا۔

کشفی صاحب کو ڈاکٹر محمود حسین سے جتنا قرب رہا ہے اس کے پیشِ نظر وہ ڈاکٹر صاحب پر اس سے کہیں زیادہ اچھا خاکہ لکھ سکتے تھے۔ کشفی صاحب کے حافظے میں ان کے حوالے سے بے شمار واقعات ہوں گے جو ڈاکٹر محمود حسین جیسی ہستی کی عظمت کو نمایاں کرتے۔ کشفی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے لیے Towering Personality کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس اصطلاح کا حق تب ہی ادا ہوتا جب ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر صراحت سے اظہارِ خیال کیا جاتا۔ یہ خاکہ پڑھ کر قاری کے ذہن میں یہ جملہ ابھرتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ڈاکٹر محمود حسین سے وابستہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام یادیں رقم کر دی جاتیں‘‘۔

نیاز فتح پوری کا خاکہ کسی حد تک تنقیدی مضمون کا اثر لیے ہوئے ہے۔ اس میں شخصیت سے زیادہ فن کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کشفی صاحب نے شخصیت نگاری پر توجہ مرکوز نہیں رکھی اور وہ محبت میں خاکے کے لوازم بھول گئے اور مضمون کی سرحدوں میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح سید سلیمان ندوی کے باب میں بھی شخصیت نگاری پر کچھ زیادہ توجہ نہیں دی گئی جس کی وجہ سے ان کے خاکے نے مضمون کا روپ دھار لیا بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اس مضمون کی تحریر کے وقت فاضل خاکہ نگار کے ذہن میں یہ تھا ہی نہیں کہ وہ خاکہ لکھ رہے ہیں۔ اس لیے یہ مضمون خاکے کے لوازم پورے کرتا نظر نہیں آ تا۔

عبدالکریم سومار کا مضمون بھی ایک خاص مقصد یعنی ان کی پہلی برسی پر شائع ہونے والی کتاب کے لیے لکھا گیا اس لیے اس میں خاکے کے اصول پیش نظر نہیں رکھے گئے تاہم اس مضمون میں چونکہ کچھ خاکے کا رنگ پایا جاتا ہے شاید اسی خیال کے پیش نظر ڈاکٹر کشفی نے اسے اپنے خاکوں کے مجموعے میں شامل کر لیا۔

ان معمولی فروگزاشتوں کے باوجود ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی شخصیت نگاری کا فن مسلمہ ہے اور ان کے خاکے اُردو ادب کا سرمایہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com